مولانا سید سلیمان ندوی کے علمی و تاریخی کارنامے

از

(جناب ابو علی صاحب اعظم گڈھ)

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے اردو زبان کے سب سے بڑے مصنف تھے، انھوں نے مختلف موضوع پر متعدد ضخیم کتابیں لکھیں، اور سارے ملک سے خراج تحسین حاصل کیا، ان میں سے سیرۃ النبی، سیرۃ عائشہ، ارض القرآن، خیام، اور حیات شبلی بہت مشہور ہیں۔ موخر الذکر، سوانح عمری سے کہیں زیادہ مولانا شبلی کے زمانہ ولادت یعنی ۱۸۵۷ء تک کی، صوبہ اور خصوصاً اس کے مشرقی اضلاع کی ڈھائی دو صدی کی نہایت مربوط علمی و دماغی و تعلیمی تاریخ اور سید صاحب کے ذوقِ تحقیق کا اصلی تماشا گاہ ہے، اس لحاظ سے ان کی یہ تصنیف اردو زبان کی تمام سوانح عمریوں پر علانیہ تفوق رکھتی ہے، جس کو سامنے رکھ کر ہندوستان میں مسلمانوں کی نہایت مفصل ذہنی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے، جس کی طرف شاید اب تک اعتنا نہیں کیا گیا ہے، لیکن سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان مستقل تصنیفات کے علاوہ مختلف موضوعات پر سیکڑوں مضامین بھی لکھے تھے، جو "الہلال" "الندوہ" اور "معارف" کے ہزاروں اوراق میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض مضامین تو اتنے طویل ہیں کہ وہ سید صاحب کی زندگی ہی میں رسالوں کی شکل میں شایع ہوئے، مثلاً رسالہ "اہل سنت والجماعت" جو عقائد و علم کلام میں ہے، "بہادر خواتین اسلام" جس کو انھوں نے اپنے زمانۂ ادارت میں "الندوہ" میں لکھا تھا، اس میں تاریخ اسلام سے متعدد بہادر خواتین اسلام کے شجاعانہ کارناموں کو اکٹھا کیا گیا ہے "حیات امام مالک" جو امام مالک صاحبِ موطا کی سوانح عمری ہے، سید صاحب کا شروع میں میلان موطا کے مطالعہ کی وجہ سے مالکیت کی طرف ہو گیا تھا، یہ بھی ایک طویل سلسلۂ مضمون تھا جو پہلے "الندوہ" میں شائع ہوا تھا، بعد میں کتابی

شکل میں آیا، "امام مالکؒ" پر جہاں تک ہمارا حافظہ کام کرتا ہے، پھر اردو میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، اس لحاظ سے سید صاحب کی یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد ہے، ان کے دو رسالے جو ان کی زندگی میں شائع ہوئے "خلافت اسلامیہ" اور "دنیائے اسلام میں تحریک" خلافت کے زمانہ میں معارف میں شائع ہوئے تھے، بعد میں کتابی شکل میں شائع کئے گئے۔ سید صاحب کی علمی شہرت میں ان محققانہ رسائل کو بڑا دخل ہے۔ مسئلہ خلافت اور اس کی تاریخی حیثیت پر سید صاحب کا یہ پہلا محققانہ سلسلۂ مضامین تھا جس کی علماء اور ارباب تحقیق نے بڑی داد دی تھی۔ اس کے بعد ایک نوجوان رفیق دارالمصنفین مولوی ابوالحسنات مرحوم نے اس مسئلہ پر ایک مضمون لکھا تھا، جو بہت پسند کیا گیا۔ ان محققانہ مضامین کے شائع ہونے کے بعد اور بزرگوں نے مضامین، رسالے اور کتابیں لکھیں، جن میں سب سے ممتاز مولانا ابوالکلام آزاد تھے، انھوں نے مختلف صورتوں میں اس پر اظہار خیال کیا، اور بعد میں ان کی علمی و تاریخی تحقیقات رسالوں کی صورت میں شائع ہوئیں۔

یوں تو سید صاحب نے ہر موضوع پر مضامین لکھے اور اس موضوع سے متعلق داد تحقیق دی، لیکن سید صاحب کا اصل ذوق تاریخ تھا، اور زیادہ تر آپ نے اپنے استاذ مولانا شبلی کے تتبع میں تاریخی مضامین لکھے، اور یورپ اور ہندوستان کے بڑے بڑے فضلاء سے داد حاصل کی۔ مثلاً مرہٹوں کا فوجی نظم، عہد اسلام میں تعلیم نسواں کی درسگاہیں، لاہور کا ایک فلکی آلات ساز خاندان، عربوں کی بحری تصنیفات، بدھن کیتھلک کی چند من گھڑت کہانیاں، برمک اور برکھ، واقدی، پھر واقدی، تاج محل اور لال قلعہ کے معمار، قنوج وغیرہ خالص تاریخی مضامین ہیں، ان کا ایک وسیع سلسلۂ مضمون "ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی مسلمانوں کے عہد حکومت میں" تھا، جو معارف کے اجراء کے بعد ہی انھوں نے لکھنا شروع کیا تھا، لیکن وہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا، پھر بھی وہ بارہ تیرہ نمبروں میں آیا تھا، یہ قابل قدر تحقیقی سلسلۂ مضمون، سید صاحب کے پاکستان منتقل ہونے کے بعد آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس نے کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے، اور اپنے موضوع پر اردو زبان میں یہ پہلی کوشش کی ہے، اس میں ہندو اور انگریز مورخوں کی پھیلائی ہوئی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔

انھوں نے ان مضامین کے علاوہ ملی و قومی و سیاسی اور تاریخی و علمی و دینی مجالس کے اجلاسوں کے

صدارت کی اور ان میں خطبے پڑھے، ان میں جو تحریری تھے وہ معارف میں بھی شائع ہوئے، اور ان انجمنوں اور مجالس کی طرف سے کتابی صورت میں بھی، عرب و ہند کے تعلقات، عربوں کی جہاز رانی، اور خطبات مدراس وغیرہ در حقیقت علمی و دینی خطبات تھے جو علی الترتیب الٰہ آباد ہندوستانی اکاڈمی، اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی، مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن آف ساؤدرن انڈیا مدراس میں دیئے گئے تھے، جو متعلقہ مجالس کی طرف سے کتابی صورت میں شائع ہوئے، اور بہت مقبول ہوئے، ان میں اول الذکر دو سلسلۂ خطبات خالص تاریخی ہیں، جن میں عجیب و غریب تاریخی حقائق اور نادر انکشافات پر روشنی ڈالی گئی ہے، سید صاحب اگر کچھ اور نہ بھی لکھتے تو بھی یہ خطبات بقائے دوام کی مجلس میں ان کو جگہ دینے کے لئے کافی تھے،

سید صاحب کا ایک اور قابلِ ذکر تاریخی خطبہ جو انھوں نے ادارۂ معارف اسلامیہ کے پہلے سالانہ اجلاس میں بہ مقام لاہور اپریل ۱۹۳۳ء میں دیا تھا، "لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج اور لال قلعہ بنایا" ہے، اس میں انھوں نے اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ استاد احمد معمار شاہجہانی لاہوری اور اس کے خاندان کے مختلف باکمال اور ہندسہ و ریاضیات کے ماہر افراد کے حالات بڑی تلاش و جستجو سے اکٹھا کئے ہیں، اور مستند شہادتوں سے ثابت کیا ہے، کہ ہندوستان کی ان نادر العصر عمارتوں کی تشکیل و تعمیر کا سہرا استاد احمد معمار کے سر ہے جو ہندسہ و ہیئت اور ریاضیات کا بہت بڑا عالم تھا،

عرب و ہند کے تعلقات سید صاحب کی خالص علمی و تاریخی کتاب ہے، جو ان خطبوں کا مجموعہ ہے جو سید صاحب نے ہندوستانی اکاڈمی میں ۱۹۲۹ء میں دیئے تھے۔ یہ بھی سید صاحب کی تحقیقات اور وسعتِ معلومات کا تماشا گاہ ہیں، اور ان کو یورپین محققوں کی اعلیٰ سے اعلیٰ تصانیف کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے، انگریزوں نے اپنے سیاسی مصالح کی خاطر جو غلط فہمیاں پھیلائی ہیں، ان میں ایک بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہندوؤں سے مسلمانوں کا تعلق محض فاتحانہ اور حاکمانہ رہا ہے جن کا مقصد ہندوستان کی بے اندازہ دولت کا لوٹنا اور سمیٹنا تھا، اور اسی مقصد کے تحت مسلمانوں نے ہندوستان پر حملہ کیا، اور اس کو فتح کیا، اور یہاں کی دولت لوٹ کر اپنے ملکوں میں لے گئے، سید صاحب نے ان گراں قدر خطبات میں ثابت کیا ہے کہ اس ملک سے عربوں کا تعلق اسلام کے ظہور سے صدیوں پہلے سے تھا، عرب تاجر یہاں دوسرے ملکوں کا مال لاتے تھے۔ اور یہاں کا مال

سرے ملکوں میں لے جاکر بیچتے تھے، ظہورِ اسلام کے بعد بھی ان عرب تاجروں کی جو اب مسلمان ہو چکے تھے آمد و رفت
سلسلہ جاری تھا، اور ہندوستان میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہونے سے بہت پہلے عرب مسلمانوں اور
ان کے ہندوؤں میں ہر قسم کے علمی و تمدنی و تجارتی تعلقات قائم ہو گئے تھے، اور خصوصاً ہندوستان کے جنوبی
ساحل میں ان کی بڑی بڑی آبادیاں قائم ہو گئی تھیں، اور ان میں ان کا اپنا مذہبی نظام قائم تھا، اور ان کے
معاملات، مقدمات اور نزاعات کے فیصلے کے لئے قاضی مقرر تھے، ان ساحلی علاقوں کے ہندو راجے ان کے
حسنِ اخلاق، دیانت، اور دوسری خوبیوں کی وجہ سے ان کا بڑا خیال کرتے تھے، اور ان کے ساتھ بڑے
اخلاق سے پیش آتے تھے، مالابار وغیرہ میں موپلے انہی مسلمان عربوں کے باقیات الصالحات ہیں۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کی ابتدا تجارت سے ہوئی، اور اسی کے ذریعہ وہ ایک
دوسرے کے مذہب، تمدن، رسم و رواج سے واقف ہوئے، ان کے بڑے بڑے قافلے ہندوستان میں
آئے، اور یہیں بس گئے، یہ غلط ہے کہ عربوں نے ہندوستان کی سرزمین پر ایک فاتح اور کشورکشا کی حیثیت
سے قدم رکھا اور یہاں کے لوگوں کے مال و دولت کو خوب لوٹا گھسوٹا، سندھ میں گو ان کا داخلہ ایک حملہ آور
کی حیثیت سے ہوا تھا، لیکن اس کے کچھ تاریخی اسباب تھے، یہ پیش نہ آتے تو شاید وہ ادھر کا رخ بھی نہ کرتے
لیکن وہ چنگیز و ہلاکو بن کر نہیں آئے، کہ آتے ہی انھوں نے سارے سندھ کو تاراج کر ڈالا، اور کسی کی عزت
و آبرو باقی نہیں رکھی، تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ غیر مسلمانی آبادی کے ایک متنفس کا بال بھی بیکا نہیں
ہوا، محمد بن قاسم تو عدل و انصاف کا دیوتا سمجھا گیا، اور سندھ میں اس کی پوجا شروع ہو گئی، "عرب و ہند کے
تعلقات" میں ان ہی پہلوؤں کو بڑی تفصیل کے ساتھ دکھایا گیا ہے۔

اس میں پانچ خطبے یا پانچ ابواب ہیں، پہلا باب ہندوستان اور عربوں کے تعلقات پر ہے، دوسرا
تجارتی تعلقات پر ہے، تیسرا علمی تعلقات پر ہے، جس میں دکھایا گیا ہے کہ ہندوستان سے علمی تعلقات
بنی امیہ کے آخری دور سے شروع ہو گئے تھے، مگر خود مسلمانوں کی اصل علمی تاریخ عباسیوں کے دور سے
شروع ہوتی ہے، اور اسی زمانہ میں مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم و فنون کی طرف توجہ کی، اس وقت
کی بڑی بڑی زبانوں، یونانی، سریانی، عبرانی وغیرہ کے بہترین ادب اور دوسرے علوم و فنون کی کتابوں کا

ترجمہ عربی میں شروع کیا، اور برامکہ کی سرپرستی میں سنسکرت زبان کی طب و نجوم، ہندسہ و ریاضیات اور قصص و حکایات کی کتابوں کا ترجمہ ہوا، اور ہندوستان سے ہندو علماء بغداد بلائے گئے۔ اور ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا گیا، چوتھا باب مذہبی تعلقات پر ہے، جس میں نہایت قوی دلائل کے ساتھ انگریزوں کے تمام نظریات کی تغلیط کی گئی ہے، پانچواں باب ہندوستان میں اسلامی فتوحات سے پہلے مسلمانوں کی آبادی پر ہے، اس باب میں سید صاحب نے خوب خوب دادِ تحقیق دی ہے یہی باب درحقیقت پچھلے ابواب و مباحث کا نتیجہ اور ان کا حاصل ہے، اس میں "ہندوستان میں اسلامی فتوحات سے پہلے یعنی غزنویوں سے قبل مسلمانوں کی آبادی کا ذکر ہے، اور ایک ایک آبادی کا بڑی تفصیل سے ذکر آگیا ہے، ان میں جہاں اُن کی آبادی زیادہ تھی، وہاں ان کا مستقل مذہبی نظام قائم تھا، اور ان کے مقدمات کے فیصلے کے لئے ائمہ و قضاۃ مقرر تھے، ان کے اخلاقی اور دینی اثر سے بہت سے ہندو راجے بھی مسلمان ہو گئے، دکن اور جنوبی علاقہ میں اگرچہ مسلمانوں کی حکومت بہت بعد میں قائم ہوئی، لیکن ہندوستان میں سب سے پہلے وہیں آباد ہوئے، سید صاحبؒ نے ان ساحلی شہروں اور علاقوں کا ایک ایک کرکے نام لیا ہے، جن میں جاکر مسلمان آباد ہوئے اور وہاں کے شہری ہو گئے۔ انھوں نے وہاں مسجدیں تعمیر کیں، اور اپنا الگ دینی نظام قائم کیا، جس کے اثرات بحمد اللہ آج بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ کتاب ہند و مسلمانوں کے تعلقات کی بڑی دلچسپ تاریخ ہے، اور سید صاحب کے علمی کارناموں میں ایک اہم کارنامہ ہے۔

سید صاحب کے تاریخی خطبات کا ایک مجموعہ اور بھی ہے جس کا نام موضوع کی مناسبت سے "عربوں کی جہاز رانی" ہے۔ یہ خطبے سید صاحب کی غیر معمولی ذہانت، قوتِ حافظہ، ذوقِ تحقیق، اور وسعتِ معلومات کے تماشا گاہ ہیں، ان کی تیاری کے لئے ان کو کل دو ہفتے ملے تھے جس وقت ان سے پہلے پہل خطبہ دینے کی خواہش کی گئی، تو انھوں نے بمبئی کی مناسبت سے "پارسی علوم و ادبیات اور مسلمان" کا عنوان پسند کیا تھا، مگر منظوری کی اطلاع اس وقت آئی جب خطبہ دینے کی تاریخ کو کل دو ہفتہ رہ گئے تھے، ظاہر ہے کہ ایسے تنگ اور محدود وقت میں ایسے اہم موضوع کی تحقیقات و تلاش کا کام نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لئے سید صاحب نے بجائے اس کے "عربوں کی جہاز رانی" کا موضوع اختیار کیا، یہ موضوع بھی کچھ آسان نہیں تھا،

بلکہ بالکل اچھوتا تھا، اور اب تک اردو میں کسی نے اس پر تحقیقات نہیں کی تھی، لیکن سید صاحب نے قرآن اور دوسرے ماخذ سے دو ہفتہ میں چار خطبے تیار کئے، اور اس قدر مکمل اور جامع کہ ان کے اقتباسات بمبئی کے متعدد انگریزی و اردو اخبارات نے اپنے کالموں میں شائع کئے، اور سید صاحب کی تحقیقات اور تلاش و جستجو کی داد دی، اور شائقین نے ان کے چھپنے اور منظر عام پر آنے کا تقاضا شروع کر دیا، یہ بھی عجیب بات ہے کہ لبیک کی آواز بمبئی ہی سے اٹھی، اور بمبئی کی اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن نے اس کام کے لئے اپنے کو پیش کیا، اور سید صاحب نے بے تامل یہ اوراق اس کے سپرد کر دیئے، یہ خطبے دیئے گئے تھے درحقیقت بمبئی گورنمنٹ کے شعبۂ تعلیم کی خواہش پر اور اسی کی سرپرستی میں، لیکن یہ چھپے "اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی" کی طرف سے، خود سید صاحب کے اہتمام میں آرٹ پیپر پر معارف پریس میں۔

یہ چار خطبے ہیں اور چاروں کے موضوع الگ الگ ہیں، پہلے کا موضوع لغات عرب ہے، دوسرے کا عربوں کے بحری سفر اور ان کے جہازوں اور سفینوں کے لنگر انداز ہونے کے مقامات، تیسرے کا سامان و آلات جہاز رانی، اور چوتھے کا عربوں کی بحری تصنیفات، سید صاحب نے ان خطبوں کی تیاری میں جغرافیہ کی عربی کتابوں، عرب سیاحوں کے سفرناموں اور خود عرب جہاز رانوں کی عربی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا ہے، جن کی اپنے آخری خطبہ میں فہرست بھی دے دی ہے۔

سید صاحب کو فن جغرافیہ سے شروع ہی سے ذوق تھا، اور اس ذوق کے لحاظ سے وہ علماء کے طبقہ میں منفرد تھے، جس ذیدہ ریزی کے ساتھ عربوں کی جہاز رانی کے متعلق انھوں نے مواد فراہم کئے ہیں، اور دنیا کے سارے سمندروں کے کھنگالنے، اور بحری تگ و تاز کا سہرا جس طرح یورپ کے مستشرقین کے علی الرغم عربوں کے سر باندھا ہے، وہ انہی کا حصہ ہے۔ اب تک دنیا یہی جانتی تھی کہ دنیائے جدید "امریکہ" کا دریافت کرنے والا کولمبس اور بحر ہند کا راستہ دریافت کرنے والا پرتگال کا مشہور جہاز راں واسکوڈی گاما ہے، لیکن سید صاحب نے اپنی تحقیقات سے یہ ثابت کیا ہے کہ بحر ہند کا راستہ ہی نہیں، بلکہ امریکہ تک کے دریافت کرنے والے عرب جہاز راں تھے، جن کے سفینے سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے، اور ان کی ہولناک موجوں سے کھیلتے ہوئے دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک گھوما کرتے تھے، اور نئی نئی انسانی آبادیوں کا پتہ چلاتے تھے،

ان خطبوں میں سید صاحب نے نہایت قوی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ بحر ہند میں آنے کا راستہ واسکوڈی گاما نے نہیں بلکہ ایک عرب جہاز راں ابن ماجہ نے دریافت کیا تھا، وہ بحر براعظم سے لے کر بحر ہند، بحر عرب، بحر احمر اور بحر فارس کا سب سے نڈر جہاز راں اور جہاز رانی کے تمام علوم اور آلات کا سب سے بڑا واقف کار تھا، اور اسی نے شراب کے نشہ میں یورپین روایات کے مطابق گراں قدر انعام کے لالچ میں واسکوڈی گاما کو ہندوستان پہنچا دیا، اور اس کے جہاز کو کالی کٹ (مدراس) میں لا کر کھڑا کر دیا، جو اس زمانہ میں مسالوں کی تجارت کا سب سے بڑا بندرگاہ تھا، اس نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی، جس کا نام الفوائد فی اصول علم البحر والقواعد ہے، ابن ماجہ کو اسد البحر بھی کہتے ہیں، اور اپنے غیر فانی شاندار کارناموں کی بنا پر وہ اس لقب کا مستحق بھی ہے، اگر واسکوڈی گاما کو یہ عرب راہ نما ہاتھ نہ آتا تو شاید وہ ہندوستان نہیں پہنچ سکتا تھا، اس راستہ کے معلوم ہو جانے کے بعد تمام جہاز رانوں کے لئے ہندوستان آنا آسان ہو گیا۔

ان عربوں نے اپنے ذوقِ جہاز رانی سے اس طرح کے معلوم نہیں کتنے نئے راستے اور کتنے نامعلوم انسانی خطے دریافت کئے، اور ان کی طنابیں کھینچ کر بحری راستوں سے ان کو ایک دوسرے سے مربوط کر دیا۔ یہ عرب صرف جہاز راں ہی نہیں تاجر بھی تھے، بلکہ تجارت و سوداگری کے اقتضا ہی سے ان میں جہاز رانی کا ذوق پیدا ہوا، اور ہر طرح کا سامان تجارت لے کر ساری دنیا کا چکر لگانے لگے، ہندوستان میں ان کی آمد و رفت اسلام سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی، جیسا کہ ان کی زبان اور لغت سے اندازہ ہوتا ہے، لیکن بعد از اسلام یہ آمد و رفت بڑھ ہی نہیں گئی، بلکہ پہلی صدی ختم ہوتے ہی سندھ میں وہ فاتحانہ داخل بھی ہو گئے، اور وہاں انھوں نے داخلی انتشار و بدنظمی کی وجہ سے نہایت منظم حکومت بھی قائم کر لی، جو کئی برس تک قائم رہی، اس کا پہلا فرمانروا ۱۷ سالہ نوجوان محمد بن قاسم تھا، جس کی قیادت میں عرب افواج امن و اماں کا پیغام لے کر سندھ میں داخل ہوئی تھی، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ اسلامک کلچر حیدرآباد نے شائع کیا ہے، لیکن وہ ابھی کتابی شکل میں نہیں آیا ہے، ضرورت ہے کہ کوئی ادارہ اس کو کتابی شکل میں

چھپواکر منظرِ عام پر لے آئے۔

سید صاحب نے "امریکہ اور عرب" کے عنوان سے ایک اور مضمون بھی لکھا تھا جو معارف کے دو نمبروں میں شائع ہوا ہے، وہ بھی سید صاحب کی تحقیقات اور علمی جستجو کا شاہکار ہے، اس میں سید صاحب نے ثابت کیا ہے کہ امریکہ کی دریافت کا سہرا بھی عربوں ہی کے سر ہے، اور ان ہی کے قافلے سب سے پہلے امریکہ کے سواحل پر اترے تھے، اور مختلف مقامات پر اپنی نوآبادیاں قائم کرلی تھیں، جس کے نشانات آج بھی پائے جاتے ہیں۔

سید صاحب کی زندگی کا ایک بڑا حصّہ اسفار میں گذرا، سید صاحب کی زندگی کے دو حصّے ہیں، ایک حصّہ تو وہ ہے جو دارالعلوم ندوۃ العلماء، دفتر الہلال، پونہ کالج، اور دارالمصنفین کے علمی زاویہ میں گذرا، اور دوسرا اسفار کے نذر ہوا، جس کا سلسلہ زندگی کے آخر تک قائم رہا، ان کی زندگی میں یہ تجزیہ کرنا مشکل ہوگیا تھا، کہ وہ تصنیف وتالیف میں زیادہ مشغول رہتے ہیں، یا سفر کرتے ہیں، ان کو کہیں آنے جانے میں ذرا بھی تکلف نہیں ہوتا تھا، سفر کی تیاریاں بھی جاری رہتی تھیں، اور تصنیف وتالیف کی میز پر ان کا قلم بھی چلتا رہتا تھا، نہ سفر کی روانگی کے وقت ان کو کوئی پریشانی ہوتی تھی، نہ سفر سے واپسی کے بعد، لمبے سے لمبے سفر کی واپسی کے فوراً ہی بعد وہ میز پر بیٹھ جاتے تھے اور لکھنا شروع کردیتے تھے، علم وتحقیق کا شوق اتنا غالب تھا، کہ سفر وحضر کے راحت وآرام اور تکلیف وپریشانی کا سرے سے کوئی احساس ہی باقی نہیں رہ گیا تھا، لیکن اتنا سفر کرنے کے باوجود یہ عجیب بات ہے کہ انھوں نے اپنے ایک ہی سفر کی روداد قلم بند کی جو معارف میں باقساط شائع ہوئی، بعد میں حیدرآباد کے ایک صاحبِ ذوق ناشر نے نہایت دیدہ زیب کتابت وطباعت کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کردیا۔

نادر خاں شاہ افغانستان نے کابل یونیورسٹی کی نئی تنظیم اور وہاں کے دارالتراجم کی توسیع اور اپنے ملک میں تعلیم عام کرنے اور دوسرے مسائل پر استصواب رائے اور مشورہ کے لئے

ہندوستان کے مختلف مکاتبِ خیال کے تین بزرگوں کو مدعو کیا تھا، ان میں ایک سید صاحب بھی تھے، جو تحریک ندوۃ العلماء کے نمایندے بلکہ خود اس کی پیداوار تھے، ان معزز مہمانوں کی وہاں بڑی پذیرائی ہوئی۔ اور تمام حلقوں نے ان کا یکساں خیر مقدم کیا، مختلف اداروں اور انجمنوں نے ان کو سپاس نامے پیش کئے،

سید صاحب نے نادر خاں سے ملاقات کے وقت مسئلہ تعلیم پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ افغانستان کی عربی و مذہبی تعلیم کا نصاب ایسا ہونا چاہیے کہ مذہب سے شیفتگی کے ساتھ طلبہ میں زمانہ کے مقتضیات کا ساتھ دینے اور ان کے مطابق اپنے کو ڈھالنے کا ولولہ بھی پیدا ہو، تاکہ تعلیم پاکر مدرسوں سے نکلیں تو عملی دنیا میں اپنے کو اجنبی نہ محسوس کریں، بلکہ یہ سمجھیں، کہ وہ بھی اسی دنیا کے ہیں، اور دنیا کی تعمیر و ترقی میں ان کی کوششوں کی بھی ضرورت ہے ہم اس کا تجربہ ہندوستان میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں کر چکے ہیں، اور کر بھی رہے ہیں، اور اس میں کامیاب ہیں، وہاں کے فارغ التحصیل قوم اور خاندان پر بار نہیں ہوتے اور عملی دنیا میں آکر اپنی جگہ پیدا کر لیتے ہیں، بلکہ زندگی کے بہت سے شعبوں میں نئے تعلیم یافتوں سے بھی اچھے ہوتے ہیں۔

نادر شاہ نے مولانا سید سلیمان کے خیالات کو بہت غور سے سنا اور پسند فرمایا، اسی قسم کے مشورے سید صاحب نے وہاں کی مختلف صحبتوں اور تقریبوں میں وہاں کے ماہرین تعلیم کو بھی دیئے، اور انھوں نے بطیبِ خاطر قبول کئے، کابل سے وہ غزنی آئے، جو سلطان محمود غزنوی کی نسبت سے بڑی تاریخی عظمت کا حامل ہے، یہاں انھوں نے حکیم سنائی، اور محمود غزنوی کی مزارات پر فاتحہ پڑھی، پھر ملک افغانستان کے دوسرے حصوں مقر، قلات۔ غازی، قندھار اور چمن وغیرہ کی سیاحت کی، اور کوئٹہ اور ملتان ہوتے ہوئے اعظم گڈھ واپس آئے۔

اس سفر میں ان کے قلم کا مسافر بھی ساتھ تھا، اور سفر کے تمام حالات، کوائف، اور مشاہدات

و قلمبند کرتا چلا جاتا تھا، انہی مجمل یادداشتوں کو پھیلا کر سید صاحب نے ایک سفرنامہ مرتب کر دیا، جو اردو کے بہترین سفرناموں میں شمار ہو سکتا ہے، یہ سفرنامہ خالص علمی ہے، جس میں زیادہ تر وہاں کے قدیم تاریخی مآثر و مشاہد اور یادگاروں کی طرف اعتنا کیا گیا ہے، اور ان ہی کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے، اہلِ علم کے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے، افسوس ہے کہ اس علمی و تعلیمی زندگی کی واپسی کے کچھ ہی دنوں کے بعد ایک سفاک نے نادر خاں کو اپنی گولی کا نشانہ بنا دیا، گو اس سے حکومت میں کوئی اختلال تو نہیں پیدا ہوا، لیکن ان ماہرینِ تعلیم نے جو صلاح و مشورے دیئے تھے اور سید صاحب نے عربی و مذہبی تعلیم کی اصلاح کا جو خاکہ پیش کیا تھا، ہم نہیں کہہ سکتے، کہ اس پر کہاں تک عمل ہوا، اور عربی مدارس میں کیا اصلاح ہوئی۔

تاریخِ اسلام پر ایک نظر

یہ اسلامی تاریخ کے مختلف دوروں کے تمام ضروری واقعات و حالات کا نہایت جامع اور مکمل خاکہ ہے جس کی ترتیب میں تاریخ نویسی کے جدید تقاضوں کو سامنے رکھا گیا ہے، طرزِ بیان نہایت ہی دلنشین اور دلپذیر ہے۔

تاریخِ اسلام پر علماءِ اسلام نے اگرچہ عربی، فارسی، اردو اور دوسری زبانوں میں بڑی بڑی محققانہ کتابیں لکھی ہیں لیکن اس زمانہ کے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے ایک ایسی جامع اور مختصر تاریخ کی شدید ضرورت تھی، جس میں نہ صرف آنحضرتؐ اور خلفائے راشدینؓ کے سوانح حیات کے ساتھ خلافتِ بنی امیہ، خلافتِ بنی عباس، خلفائے فاطمین، عثمانی سلاطین اور دیگر مسلم بادشاہوں کے حالات درج ہوں بلکہ اس میں اسلامی معاشرت، تمدن اور مسلمانوں کی شاندار علمی خدمات کا بھی موثر انداز میں ذکر ہو اور تاریخی حقائق کے نتائج پر بھی مبصرانہ نظر ڈالی گئی ہو۔

اس کتاب سے یہ کمی پوری ہو گئی ہے اور تاریخِ اسلام پر ایک تحقیقی اور نفیس کتاب سامنے آ گئی ہے۔ صفحات ۵۲۸ اعلیٰ درجہ کا کاغذ، عمدہ طباعت و کتابت، سائز نہایت موزوں اور خوبصورت۔ قیمت چھ روپے مجلد چھ روپے آٹھ آنے۔